مشائخِ فقیر

مجموعہ مضامین

مفتی محمد فہیم الدین صاحب بجنوری

سابق استاذ دار العلوم دیوبند

بر وفات

میر کاروانِ تصوف، استاذِ اسباقِ دل، مجتہدِ علوم معرفت

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ



مرتب

مولانا احمد صاحب قاسمی مرادآبادی

ناشر

ایم ایف بجنوری پبلشرز

مشایعتِ فقیر

مجموعہ مضامین

مفتی محمد فہیم الدین صاحب بجنوری

سابق استاذ دار العلوم دیوبند

بروفات

میرِ کاروانِ تصوف، استاذِ اسباقِ دل، مجتہدِ علومِ معرفت

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب

مولانا احمد صاحب قاسمی مرادآبادی

ناشر

ایم ایف بجنوری پبلشرز

تفصیلات:

نام کتاب: مشایعتِ فقیر

مجموعۂ مضامین: مفتی محمد فہیم الدین صاحب بجنوری
سابق استاذ دار العلوم دیوبند

صفحات: ۲۷

مرتب: مولانا احمد قاسمی مرادآبادی

ناشر: ایم ایف بجنوری پبلشرز

رابطہ: 9634830797

ملنے کا پتہ: ایم ایف بجنوری پبلشرز

فہرست

مشایعتِ فقیر

دور حاضر میں حضرت پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی علیہ الرحمہ جہانِ نسبت کی سب سے بڑی شخصیت تھے، ان کی وفات نے دنیا کے سچے حسن اور حقیقی زینت کو داغِ مفارقت کا احساس کرایا، ناچیز نے صدمۂ تازہ کے دوران پانچ قسطوں میں تاثرات قلم بند کیے تھے، میرے عزیزِ محسن مولانا احمد قاسمی مرادآبادی کی کاوشِ جمع وترتیب نے ان مضامین میں ایک رسالہ دریافت کر لیا، اللہ موصوف کو دونوں جہان کی سرخ روئی عطا فرمائے، ناچیز اس نذرانے کو پیش کرتے ہوئے دعا گو ہے کہ راہِ فقیر کے یہ نقوش ہم سب کے لیے زادِ راہ ثابت ہوں، اس قلمی مجلس کی برکت سے صالحین کا شمار نصیب ہو اور مشایعتِ فقیر ہر صورت قبول ومقبول ہو، آمین۔

محمد فہیم الدین بجنوری
مقیمِ حال بنگلور
۲۱ رجب ۱۴۴۷ھ ۱۰ جنوری ۲۰۲۶ء

حضرت پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی ہمارے عہد کی عظیم شخصیت

سفیرِ تصوف، تحریکِ ارشاد، الہامِ اصلاح، واعظِ روح، خطیبِ قلب، دوائے دل، بہارِ سلوک، انجمنِ تزکیہ، موسوعۂ معرفت، انقلابِ باطن، لسانِ صوفیا، قلمِ حقائق، کاشفِ اسرار، کاتبِ انوار، شارحِ دقائق، مفسرِ رموز، فاتحِ عقبات، دست گیر راہ، مشکِ عرفان، طلسمِ تقریر، سحرِ بیان، حضرت پیر فقیر ذوالفقار نقشبندی آج رحمہ اللہ ہو گئے۔

غالباً دو ہزار ایک کی بات ہے، راقم دارالافتا کا طالب علم تھا، ایک روز درس گاہ میں ایک کتاب نظر آئی، کتاب تو میں کیا ہی دیکھتا! مصنف کا نام مقناطیس بن گیا، پیشانی پر مرقوم "پیر فقیر" بالکل غیر روایتی معلوم ہوا تھا، فہرست نارمل جا رہی تھی؛ یہاں تک کہ ایک عنوان گلے پڑ گیا، اس کے الفاظ یہ تھے: "ہڑتال فقط جانچ پڑتال"، یہ سرخی بد نگاہوں کا سچا آئینہ تھی، میں اس کی ندرت کا شکار ہوا، پڑھنے گیا تو صاحبِ کتاب نے ایک نیا قاری دریافت کر لیا تھا، مجھے یہاں بلا کی

ذہانت ملی، انھوں نے اصلاح کے ایک نکتے کو مزے دار، زندہ، ہم عصر اور تازہ بہ تازہ پیرایہ اور پیرہن دیا تھا، یہ اتفاقی انٹر ایکٹ پیر صاحب کے تعارف کا نقطۂ آغاز تھا۔

پیر صاحب کی عبقریت کا پہلو یہ بھی ہے کہ ان کی نہاد میں علم، مدرسہ اور کتاب نہیں تھے، یہ علمی ساز وسامان ان کے قافلۂ حیات میں آگے شامل ہوے، وہ عصری درس گاہوں کے طالب علم تھے، باضابطہ انجینئر بنے، وہ الیکٹریکل انجینئر تھے، مشینوں میں برقی نظام بنانے والا دلوں میں بجلی نصب کرنے کی طرف آئے تو یہ دشوار گزار سفر ہے، تعلیم وترتیب کے میدان سے بالکل مختلف میدان کو کیرئیر کے لیے منتخب کرنا بڑا فیصلہ ہے، رسکی، حساس، ففٹی ففٹی، ایسے سنگ میل بڑی طبیعتوں کا خاصہ ہیں، یہ لمحہ مثال اور تاریخ کہلاتا ہے، زندگی کو نئے رخ پر ڈالنے والا سرخ رو ہو جائے تو کارنامہ ہے؛ مگر پیر صاحب اس نئے دھارے میں امامِ وقت کے رتبے کو پہنچے، سو ان کے طلسماتی جوہر کا اندازہ کریں!

پیر صاحب جادو بیان تھے، دوہزار گیارہ میں انھوں نے دارالعلوم دیوبند کا دورہ کیا، کانگریس دور میں یہ ممکن تھا، میں ان کے

تینوں پروگراموں میں شریک تھا: دفتر اہتمام کی خاص نشست، مسجدِ رشید کا اجلاس عام اور حضرت مولانا محمود مدنی کا ظہرانہ، مسجد رشید میں عوامی ہجوم تھا، وہاں تسخیر قلوب کا منظر دیکھا، کاتب سنگ دل ہے؛ مگر ایک موقع پر دہاڑے مار کر رویا، گریہ وزاری کے متعدد وقفے ہوے، حاضرین کی چیخیں نکل جاتی تھیں، ناچیز نے اس پہلو کو استاذ گرامی قدر حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری کے سامنے رکھا، ولایت کا ان کا اپنا نظریہ تھا، ماورائی داستان سے وہ جلد اثر لینے والے نہیں تھے۔

ایک وقت میں نے کسی کی بزرگی ثابت کرنے کے لیے داستان پارسائی کو طول دیا تھا، سب کچھ برداشت کرنے کے بعد ایک ہی سوال کیا کہ ان کا ذریعہ معاش کیا ہے، وہ "ہدیہ معیشت" پر تحفظات رکھتے تھے اور ولایت کو روزگار چیک پوسٹ سے لازمی گزارتے تھے، خیر! وہ مسجد رشید کی آہ وفغاں والی روایت سے متاثر نہیں ہوے، اگلے دن مدنی صاحب کے ظہرانے میں وہ بھی مدعو تھے، پیر صاحب کا مختصر خطاب ہوا، یہ گفتگو بھی غضب کی پر اثر تھی، باہر آتے ہوے تاثر کے لیے تحریک کی تو فرمانے لگے کہ بیان میں بلاغت ہے، بے شک وہ روحانی پہلو کی طرف نہیں گئے؛ مگر بلاغت اور حسنِ بیان کا اعتراف غیر معمولی واقعہ

ہے، حضرت پیر ذوالفقار صاحب کو بیان و سخن کی عظیم شہادت عطا ہوئی۔

حضرت پیر صاحب نے مسجد رشید میں سماں باندھ دیا تھا، بعینہ ابن الجوزی کے خطاب کی یاد گار تھی، لوگ مرغ بسمل تھے، مسجد کے احاطے میں ماہئ بے آب تڑپ رہی تھیں، اس قسم کے مناظر کتابوں میں پڑھے تھے، اس دن یہ مناظر تجربے، مشاہدے اور تاثر کا حصہ بنے، ناقابلِ یقین کیمیا اثر صحبت آنکھوں سے دیکھی، وہ دلوں کا شغل تھا، جو خالق قلوب کے توسط کے بغیر ممکن نہیں؛ کیوں کہ بندوں کے دل اسی کی دو انگلیوں کے مابین ہیں، ان میں تصرف کے لیے خدا کا واسطہ لگتا ہے، وہ بڑی چابک دستی، اعتماد، پیشہ ورانہ مہارت اور کمال وخوبی کے ساتھ ماحول کو اینکر کر رہے تھے، وہ رلا رہے تھے اور ہم رو رہے تھے، سامعین اپنے جذبات سے بحق حضرت والا دست بردار ہو گئے تھے۔

حضرت پیر صاحب نے دفتر اہتمام کی خصوصی مجلس میں بھی قدرے بیان کیا تھا، وہ گفتگو دارالعلوم دیوبند کی عقیدت میں ڈوبی ہوئی تھی، ترانۂ دارالعلوم کے اشعار بھی دہرائے، ایک سماں اور وجد تھا، خالقِ ترانہ روبرو تھے، عشق دارالعلوم کی مجلس مشک ہو گئی تھی،

عاشق بعید عشاق نزدیک سے ہم کلام تھا، ہجر زدہ مجنوں وصال یافتہ عشاق سے ہم نوائی میں تھا، بزمِ معشوق سجی تھی، باراتِ عشق آراستہ تھی اور محرم عشق دیوانہ وار تھے، اس فضا میں حضرت پیر صاحب نے حکایت عشق چھیڑی اور تارہائے وجد کو زیر وزبر کر دیا، رونگٹے کھڑے ہو گئے، روم روم سرشار ہوا، دور کے ساقی نے میخانہ ہلا دیا۔

وہ تصوف کی کساد بازاری میں متاع تصوف لے کر نمودار ہوے، یہ تاجر کی لیاقت کا منتہی ہے کہ وہ سرد مہری کو للکارے، مین اسٹریم میں غیر مطلوب سامان چلا دے، طرز جنوں اور ہی بیدار کرے، مارکیٹ سیٹ کر دے، ہم فقط نظریاتی صوفی رہ گئے تھے کہ پیر صاحب ایک سیلاب کی طرح آئے اور طوفان کی طرح چھا گئے، انھوں نے تصوف کا نقارہ عالمی پیمانے پر بجایا، دنیا بھر میں تصوف کی بہار آگئی، صوفیانہ تقریریں، صوفیانہ تحریریں، صوفیانہ رجز، صوفیانہ ادبیات، غرض! تصوف دفاع سے اقدام بن گیا اور بین الاقوامی زنجیر وجود میں آئی، ہمارے مدرسے نقش بندی تصوف میں رنگ گئے، مسجدوں میں پیر صاحب تھے، کتب خانے پیر فقیر کے عنوان سے جگمگا رہے تھے، منبر و محراب کے تذکرے بدل گئے، میز و مطالعے کے عناوین مختلف ہو گئے،

گلستان دیوبند میں تصوف کا نیا جھونکا گذر گیا۔

حضرت پیر صاحب کی زندگی ہم طلبہ کے لیے مشعل راہ ہے، اس مشعل سے بلند ہونے والی کرنیں امیدوں کا منبع ہیں، انھوں نے ذاتی محنت سے علم حاصل کیا، کتابیں پڑھیں، مطالعہ کیا، تصوف کی راہ اختیار کی، منزل تک پہنچے اور نئے نشان بھی دریافت کیے، انھوں نے اس احساس کو کہ وہ روایتی عالم نہیں ہیں موقع میں تبدیل کیا، انفرادی محنت، جاں فشانی، تندہی، ریاضت اور شب وروز کو ایک کر کے ہر دو فلک پر کامیاب کمند ڈالی، علمِ شریعت اور علم تصوف دونوں میں مقام بنایا، تصوف میں خاص طور پر رشک زمانہ مرتبہ پایا، وہ ہمارے بہانوں پر حجت ہیں، آپ کسی بھی علم وفن کی گھاٹیوں کو سر کر سکتے ہیں، محنت، جد وجہد، ریاضت اور سر فروشی شرط ہے، کاہلی کا ٹھیکرا رکاوٹوں کے سر پھوڑنا فرار کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت پیر صاحب پس مرگ زندہ ہیں، تصانیف، مواعظ، صوتیات، مرئیات، اداروں، تلامذہ، متوسلین اور مستفیدین پر مشتمل صدقۂ جاریہ کا ایک جہان ہے جس میں انقطاع اور توقف ممکن نہیں، وہ اپنے درجنوں جلووں میں ہمیشہ ہمارے درمیان رہیں گے، زندہ، تابندہ

اور تازہ بہ تازہ۔

إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم اغفر له وارحمه وأسكنه فسيح جناتك وأنزل الصبر والسلوان على ذويه آمين يارب العالمين.

پیر صاحب کی کوہ پیمائی

پیر صاحب کو دین کی نزدیکیاں از راہِ تصوف میسر آئی تھیں، انھیں جب یہ ادراک ہوا کہ اشغالِ سلاسل خود کفیل نہیں، علمِ دین ناگزیر ہے تو وہ مایوس نہیں ہوے اور صحرائے معرفت کی پیمائش کے ساتھ بیابانِ علم کی آبلہ پائی کے لیے عہد بند ہوگئے، یہ بلند ہمتی کی مثال ہے، ایسے فیصلے آسان نہیں ہوتے، بڑی عمر میں علم کی گھاٹیوں کے لیے کمر کسنا غیر معمولی حوصلہ ہے، عزم وارادے کی ایسی مثالیں متقدمین کی یادگار ہیں، پیر صاحب نے وہ تازہ کر دیں؛ لیکن عالمِ آب وگل میں کوہ پیمائی کی ایک قیمت بھی ہے، جو صحت اور زندگی کی شکل میں ادا کرنی پڑتی ہے، حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمہ نے شیخ عبد القادر رائے پوری کے امراض سے متعلق فرمایا کہ وہ ابتدائی مجاہدوں کی دین ہیں، بھوک، بے آرامی، موسم کی مار جیسی زندگی کی تلخیاں وقتِ آخر رنگ دکھاتی ہیں، پیر صاحب نے کاروان حیات کے علمی سفر میں تاخیر کی تلافی نیند کی قربانی سے کی، ان کے بارے میں متواتر شہادت ہے کہ وہ رات بھر مطالعہ

کرتے تھے، رات کی شیریں نیند سے بحق علم دست بردار ہو گئے تھے، دن کی تین گھنٹے نیند پر گزارہ رہا، راتوں کی ان پہنائیوں اور پنہائیوں سے بے شک لازوال خزانے دریافت ہوے؛ مگر اس تیاگ کی ایک قیمت بھی تھی جو عوارض صحت کی صورت میں ظاہر ہوئی اور کل وفات پر تمام ہوئی، زندگی آخرش فانی ہے، بہ ہر صورت رو بہ ختم ہے، یوں شب بیداری کا یہ سودا خسارہ نہیں، دراصل یہ صوفیا کا زندگی سے متعلق درست عرفان ہے اور یہی وہ افراد ہیں جن کو حدیث میں اسمارٹ کہا گیا ہے: "الكَيِّس مَنْ دَانَ نَفْسَهُ، وَعَمِلَ لِما بَعْدَ الْموْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَههَواهَا، وتمَنَّى عَلَى الله" (التِّرْمِذيُّ: ٢٤٥٩)

صدائے فقیر میں دیوبند کی عالمی ترجمانی تھی

گذشتہ ربع صدی یا اس سے کچھ زائد مدت، دیوبند کی عالمی ترجمانی میں پڑوس کی آوازیں حاوی رہیں، دیوبند کے تینوں بازو: تعلیم، تبلیغ اور تصوف پاکستانی نمائندگی میں تھے، ہمارے یہاں تینوں اداروں میں عباقرہ ہیں؛ مگر شہرت، اثر، سفر اور رسائی کے رائج الوقت معیار میں پہلی پیڑی پر نہیں آتے، دیوبند کا علم بین الاقوامی شناخت میں حضرت مفتی تقی عثمانی سے منسوب ہے، تبلیغ کی برا عظمی نقل و حرکت کے نقیب حضرت مولانا طارق جمیل رہے اور خانقاہ کا انٹر نیشنل سفر حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی کی سربراہی میں طے ہوا۔

پیر صاحب کی وفات سے دیوبند کے تصوف کا عالمی زمزمہ خاموش ہو گیا، ایک دور رس اثرات کا حامل بازو غیر فعال ہوا، ایک ستون کا آفاقی کردار موقوف ہو گیا، تصوف کے مراکز کی کمی نہیں؛ مگر بیشتر مقامی نوعیت رکھتے ہیں، پیغام کی ترسیل میں سرحدوں کو زیر کرنے والے عطار اور حکیم نظر نہیں آتے، فقیری شفاخانہ اکلوتا واقع ہوا، جس

کے فیض نے ملکی حدود تسلیم نہیں کیں، پیر صاحب کے نبوغ کا اندازہ لگائیں کہ انھوں نے ملکوں، اداروں اور تنظیموں کی سطح کا کام انفرادی حیثیت میں کیا، ایک رجحان عالمی وجود کے لیے حکومتی ریال، ادارہ جاتی حمایت اور تنظیمی پشت پناہی پر اعتماد کرتا ہے، فقیری کام کے پھیلاؤ میں فقیری دوش ہی کافی ہو گئے۔

حضرت پیر صاحب جادو کی چھڑی رکھتے تھے، تا حد نگاہ تسخیر ہی تسخیر ہوئی، جو سنتا ہے کلام ان کا وہ ان کا ہو ہی جاتا ہے، انھوں نے غیر روایتی حلقوں کو فتح کیا، اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے منفی ذہن کو قائل کر لیا، مغرب کے مادہ کدوں میں روحانیت بر آمد کی، جدید طبقات میں درس قدامت وائرل کیا، ریالی سلفیت کو مزاحمت دی، دفاع کی روایت میں اقدام متعارف کرایا، انھوں نے تصوف کو مشک کی صورت پیش کیا، ان کا تصوف مہکتا تھا، پھر ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہ ہوتی، معترض مشک سونگھ کر اصالت کی تصدیق کر سکتا تھا، ان کے یہاں تصوف تصور سے ترقی پا کر تصدیق بن چکا تھا۔

پھر کیا مولوی آسان ہدف ہے؟ ہم نے عصری طبقے کا ذکر کیا: جب کہ مولوی اصل سخت جان ہے، غیر مولوی کو لفٹ نہیں کراتا، پیر

صاحب نے علمی حلقوں کو متاثر کیا، جہانِ مدارس کے ہر کل پرزے کو مسحور کیا، طلبہ شیدائی بنے، چھوٹے مدرسین حلقہ بگوش ہوے، بڑے اساتذہ ملتجی تھے، مشاہیر رجوع ہوے، اکابر نے لمحہ فکریہ محسوس کیا وہ دارالعلوم تک پہنچ گئے، ان کی کرامت نے دفترِ اہتمام دارالعلوم دیوبند پر دستک دی، ان کی "فہرستِ شکار" اپنی ہمہ گیری، تنوع، کیفیت، کمیت اور ندرت میں تھانہ بھون کی یاد تازہ کرتی ہے، جہاں اکابرِ زمانہ قدم بوس ہوے تھے، ائمہ علم و فن کفش بردار بنے تھے اور اعلامِ ہند نے دستاریں اتار دی تھیں۔

پیر صاحب نے تصوف کو موضوعِ عمل کے ساتھ موضوعِ تحقیق بھی بنایا، وہ حقیقت کے سفر میں علوم شریعت سے کنارہ کش نہیں ہوے، قرآن و سنت کے سرچشموں سے سیرابی ہم زمانہ رکھی، کتابیں لکھیں، واردات کو مکتوبات میں بدلا، دریافتوں کو محفوظات بنایا، صوتیات اور مرآیات کے سہارے لیے، مجالس اور پروگراموں کو ترسیلِ مسلسل کی صورت دی، خلفا تیار کیے، تلامذہ سنوارے، متوسلین تراشے، غرض! انھوں نے تصوف کو ایک انڈسٹری کے طور پر متعارف کیا اور اسے جہان بھر میں برپا بھی کیا، وہ تصوف انڈسٹری چھوڑ کر گئے ہیں، جس میں

سینے ہیں، سفینے ہیں، سسٹم ہیں، کار کنان ہیں، رہبر ہیں، راہ رو ہیں، بڑے ہیں، چھوٹے ہیں، سب رنگ ہیں، وہ ایک شخص یا ادارہ نہیں، فقیری کا ایک عالم اور درویشی کا ایک جہان ہیں۔

پیر صاحب اور مقامِ حق الیقین

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی سے فرمائش کی تھی کہ احیائے موتی کا مشاہدہ کرا دیجیے، اللہ تعالی ان کے پوائنٹ سے واقف تھا؛ مگر سوال دوسروں کے لیے موہم ہو سکتا ہے؛ اس لیے تنقیح ضروری ہوئی، فرمایا: آپ ایمان نہیں رکھتے؟ حضرت نے سبقت کی اور "نفی توڑ اثبات" میں اقرار نامہ پیش کیا: "قَالَ بَلَىٰ"، پھر استدراک کے لیے عرض کیا کہ علم کو دیکھنا چاہتا ہوں: "وَلٰكِن لِّيَطۡمَئِنَّ قَلۡبِي"، یہاں تکمیل آرزو کا اہتمام ہوا، انھوں نے چار پرندوں پر احیائے ثانی کی سرگذشت بچشمِ سر ملاحظہ کی۔

یہ مقام حق الیقین ہے، اس کا اپنا لطف ہے، انبیائے کرام ایمان کے اعلی مقام پر ہوتے ہیں؛ مگر پھر بھی ان کو سیر ملکوت سے ایک حصہ ملتا ہے، سردار انبیا کو سب سے وافر حصہ ملا، وہاں تک نوازا گیا جس کی امید جبریل بھی نہیں رکھتے، سدرۃ المنتہی سے آگے بلائے گئے، حق الیقین کا یہ سفر ایمان کی ملکوتی ریفیلینگ تھی، زمین پر ملتی جلتی

کار گزاری شق صدر کے واقعات میں ہوتی رہی تھی، یہ حق الیقین لطفِ زندگی کی معراج ہے، کیفیت کے درجے میں بھی اور اگر مقام بن جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہو گا! یہ دولت انبیائے کرام کے لیے مقام کا درجہ رکھتا ہے۔

ان کے فیض سے صلحائے امت بھی موج اٹھا لیتے ہیں؛ یہاں تک کہ روحانی دنیا ذاتی تجربہ ٹھہرے، حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کو مغلوب الحال نہیں دیکھا گیا، مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی نے گرفت کے جواب میں دوستانہ رد عمل دیا تھا کہ سمندر پیے بیٹھے ہیں اور ڈکار نہیں لیتے؛ مگر اس مثالی ضبط کے باوجود تذکرۃ الرشید میں رپورٹ ہوا ہے کہ ایک روز فرمانے لگے: زمانہ ہو گیا اللہ رب العزت کا مواجہہ ہٹا نہیں، اس دوران کوئی کام ان سے پوچھے بغیر نہیں کیا، یہ حال کا بیان نہیں، مقام کا کنایہ تھا، وہ ہمہ وقت کے حاضر تھے۔

حضرت ہی کا ارشاد ہے کہ تصوف کے مضامین مطالعے سے بیان نہیں ہوتے، یہاں کی سرخروئی عمل سے وابستہ ہے، ورنہ سیاق ساتھ چھوڑے گا، سماں نہیں آئے گا، اس وادی کی ''سرگذشتِ سفر'' آبلہ پائی کے بغیر ممکن نہیں، آپ نے حضرت پیر ذوالفقار صاحب نقش

بندی کے بیانات سنے؟ یہ کیفیت اور کمیت کلِ عالم کے لیے چیلنج ہے، میں نہیں جانتا کہ کسی بشر نے خاص تصوف پر اتنا عظیم ورثہ وعظ کی صورت میں چھوڑا ہو، مستزاد یہ کہ اعتماد بے نظیر ہے، وہ شانِ اعتماد مجرد مرشد میں ناممکن ہے، اس کے لیے امامتِ ارشاد درکار ہے، بلا شبہ حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی ہمارے دور میں تصوف کے امام الائمہ اور مجتہد المجتہدین تھے۔

پیر صاحب دیکھ کر بولتے ہیں، سیرت کی روایات ہیں کہ مسجد اقصی کی تفصیلات کا جواب مشاہدے سے دیا جارہا تھا، پردے ہٹ گئے تھے، قریش کی بے تکی حرکت تھی جو جزئیات پوچھ رہے تھے، زائر کے لیے یاد رکھنا کیسے ممکن ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چیزیں دیکھ کر بیان کیں، وہ بیان معجزہ در معجزہ ہوا، پیر صاحب روحانیت دیکھ کر بولتے ہیں، وہ پڑھا ہوا نہیں ہے، محفوظات کی تقریر نہیں ہے، ذاتی داستان ہے، آپ بیتی ہے، کیفیت ہے، حال ہے اور مقام بھی ہے، ان کو تصوفی مصادر کی مراجعت نہیں لگتی تھی، وہ تصوف کے مراجع تخلیق کر رہے تھے۔

حضرت پیر صاحب جب نیم مترنم سرد آہ میں کہتے ہیں کہ دل

سے اللہ کی آواز برآمد ہونی چاہیے تو وہ برآمد ہو رہی ہوتی ہے، وہ بہ ظاہر چار سیر بتاتے ہیں؛ واقع میں وہ محو سیر ہوتے ہیں، وہ ملکوت کے لیے اجنبی نہیں رہ گئے تھے، وہ "ملکوت آشنا طبیعت" بن گئے تھے، نووارد نہیں تھے، ہر وقت کا آنا جانا تھا، مراقبے کے مراحل بیانِ ذات کا جزو تھے، چھ سات گھنٹے مسلسل بیٹھنے کی ترغیب ماجرائے خویش بھی ہے، دل پھڑکنے کا مضمون احساس کا حصہ ہے، محض نقلِ اقوال نہیں، وہ پھڑکتے دل ہی سے داستان دل چھیڑتے تھے، انھوں نے تصوف کو کتابی علم سے وجودی علم کا ٹرانسفر میشن دیا۔

حضرت پیر صاحب علم تصوف کے فاتح تھے، اتنا درک کیسے ممکن ہے؟ سائنس کو رسائی کے لیے آلات لگے، خورد بینیں آئیں، مشینوں نے سہارا دیا، پیر صاحب کو کیسے راستہ ملا؟ روحانیت کو مشاہدہ بنا دیا، معانی کو احساس میں تبدیل کیا، شق صدر کا ایک باب کھول دیا، دل کو ایک دنیا بنا دیا، دل میں جہان دریافت کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ دل ہی مرکز صلاح وفساد ہے مجسم کیا، اس قول میں آفاق برپا کر دیے، وہ دنیائے دروں میں اس درجہ اندر تک کیسے گئے؟ ان کے پاس تو آلات نہیں تھے؟ نہیں، یہ خیال غلط ہے وہ دل کی دنیا کی

تسخیر میں خالی ہاتھ نہیں تھے، ان کے پاس لدنی مشینری تھی، جو میڈیکل آلات سے زیادہ رسا ہے، اس کے لیے حائل نہیں، اس کے سامنے پردہ نہیں، وہ نور ہے آر پار ہو جاتا ہے، حضرت پیر صاحب وادی قلب کی سیر میں لدنی کمک سے لیس ہو کر نکلے تھے اور فتح یاب ہو کر لوٹے، کیا ہی خوب کہا گیا: جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ، واقعی پیر صاحب فاتحِ زمانہ تھے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

پیر صاحب کی زبانِ حال: "دارالعلوم چہار دیواری کا نام نہیں"

"دارالعلوم مفکرین" کا اجماع ہے کہ دارالعلوم چہار دیواری کا نام نہیں، دارالعلوم اپنے پیغام کی آفاقیت کا ہم نوا ہے، اس کا حسی جغرافیہ اس کے فیض کا ترجمان ویسے ہو بھی نہیں سکتا! میرے سامنے کی بات ہے، امریکی سفیر کا دورہ ہوا، وہ چہار دیواری دیکھنے کے بعد بولا: دارالعلوم کہاں ہے؟ دارالعلوم کیوں نہیں دکھاتے؟ اس کے ذہن میں دارالعلوم کے عالمی اثرات تھے جو دارالعلوم کے احاطے پر منطبق نہ ہوے، اس کے شک کو دور کرنے میں محنت صرف ہوئی، بہ مشکل باور کرایا گیا کہ بس یہی دارالعلوم ہے۔

مضمون میں وقفہ لیتے ہیں، بعد میں آگے بڑھیں گے، یہ تنگ نائی تاریخ وار انتظامی نارسائی کا اشاریہ ہے، دارالعلوم کی اراضی کو دارالعلوم کے نام سے ہم جول رکھنے میں انتظامی صیغہ ہمیشہ پیچھے رہا، دور اندیشی کا قحط ہر دور میں تھا اور ہنوز جاری ہے، واقعی ہمارے بزرگ سادہ

لوح تھے اور سادہ لوح ہیں، برپا کر پائے نہ مارکیٹنگ کی اور یہ تو حضرت نانوتوی کا دم گرم ہے، ورنہ ہمارے بعض اکابر نو درے کی وسعت کو بھی زائد سمجھ رہے تھے، وہ ذہنیت ایک رنگ میں باقی رہی، توسیعی نظریہ بہت فعال نہیں ہوا، موجودہ دارالعلوم سے پولیس چوکی تک کا علاقہ دارالعلوم کے حدود اربعہ کا کم از کم تصور ہے، فی الحال دارالعلوم شروع ہوتا ہے اور ہر طرف سے ختم ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کی برصغیری برانچ کی یہ تنگ دامنی بہت کھلتی ہے۔

خیر! دارالعلوم چہار دیواری کا نام نہیں، دارالعلوم اس وقت تھا جب موجودہ در و بام نہیں تھے، دارالعلوم اس وقت ہوگا جب مابعد یوگی نئی تعمیرات وجود دیکھیں گی، دارالعلوم اپنی فکر کا قد رکھتا ہے، اس کا طول و عرض اس کے علم و فن میں ہے، اس کی پہنائیاں اور پنہائیاں اس کا دائرہ طے کرتی ہیں، اس کی فتوحات میں اس کا وزن ہے، اس کی تسخیر قوت کا عنوان ہے، اس کا انتساب وسعت کا کنایہ ہے، اس کا تصور بلندی کا پتہ ہے، اس کا خواب محبوبیت کا نشانی ہے، اس کے ستارے اس کی ماورائیت ہیں، اس کے سینے اور سفینے اس کے خزانوں کی مہر ہیں، دارالعلوم آفاقی ہے، دارالعلوم مقامی نہیں۔

حضرت پیر صاحب نے علامہ اقبال کے اس خیال کو مجسم کیا کہ ہر معقول پسند متدین شخص دیوبندی ہے، دیوبندی ہونے کے لیے احاطۂ مولسری کا بپتسمہ شرط نہیں، دارالعلوم طیبہ کی مئے مرغوب سفالِ ہندی میں دیا کرتا ہے، پیر صاحب نے ”دیوبند فرنچائزی“ کی یہ مئے مرغوب پاکستان میں درآمد کی اور زندگی کا سودا کرلیا، فنائیت نے انھیں وہ عروج دیا کہ رشکِ مرکز بن گئے تھے، ایک وقت وہ مادرِ طریقت کا شکریہ ادا کرنے آئے تو مادر طریقت خود ناز بردار تھی، دوہزار گیارہ میں دارالعلوم ان کو سن رہا تھا، وہ دارالعلوم کو دارالعلوم سے ملا رہے تھے، وہ امانتِ دارالعلوم کی ثناخوانی عین اس کی آغوش میں کررہے تھے۔

دارالعلوم سے مربوط رہنے کا عظیم فائدہ ہے، ترقی رکتی نہیں، بڑا انسان بھی بڑا ہوتا رہتا ہے، بلند ستارہ پیہم بلند ہوتا ہے، منزل کے دھوکے سے محفوظ رہتا ہے، ہمارے دور میں اس کی بہترین مثال حضرت مفتی تقی عثمانی ہیں، اگر وہ دارالعلوم کراچی کا تناظر رکھتے تو ان کا سفر تمام تھا، وہ شیخ الحدیث ہیں، اس کے آگے کوئی تدریس نہیں، وہ مہتمم ہیں، اس کے بعد انتظام نہیں؛ لیکن انھوں نے خود کو دیوبند کے فریم میں رکھا ہے، اس لیے وہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کو دیکھتے ہیں

اور فعال رہتے ہیں، علامہ انور شاہ کشمیری نظر آتے ہیں اور متحرک کر جاتے ہیں، وہاں تھانوی ہیں، وہاں شیخ الہند ہیں، وہاں اعلامِ امت اور اساطین علم ہیں جو عثمانی سفر کو آشنائے جمود ہونے نہیں دیتے۔

حضرت پیر صاحب نے اپنی خدمات کو ”دیوبند قبلہ“ رکھا، وہ مہر لگوانے کے لیے دارالعلوم کے دفتر تک پہنچے، انھوں نے اپنے خونِ جگر کو دارالعلوم کے نام کیا، ”متاعِ فقیر“ دیوبند پر نچھاور کی، اس کا ان کو راست فائدہ ہوا، وہ تصوف کا متفق علیہ رمز بنے، ان کی شخصیت کا نکھار برق رفتار ثابت ہوا، انتسابِ دیوبند نے مقام اور آفاق مسخر کیے، ایک حلقہ تخلیق و تشکیل ہوا جو دارالعلوم کی نسبت سے انصاف کرتا تھا، ان کی بادِ بہار عالم گیر تھی؛ کیوں کہ ان کی کتابیں، مواعظ، خلفا اور فیض کی تمام صورتیں دارالعلوم سے ٹیک آف لے رہی تھیں، پھر پرواز بھی دارالعلوم کے معیار کی مقدر ہوئی۔

دیوبند نسبت کا کمال یہ ہے کہ قدم بھکتا نہیں،، اس ضمانت کی بڑوں کو خاص ضرورت ہوتی ہے، حضرت مولانا طارق جمیل صاحب اور ہندوستان والے: دونوں نے لاتعلقی کی قیمت چکائی ہے، ہم نے بیس سال قبل ان کو جہاں دیکھا تھا اب وہ وہاں نہیں ہیں، اگر یوٹرن نہیں لیا اور

آغوش دارالعلوم میں نہیں آئے تو مزید زوال منتظر ہے، حضرت پیر صاحب کی کشتی کو چندے بھنور پیش آئے تھے؛ مگر دارالعلوم کی رسی کی برکت سے لنگر اندازی ہوئی، امتحان سے وہ سرخرو ہو کر نکلے اور پہلی والی شان بھی بحال ہوئی، سچ ہے کہ ہم دارالعلوم سے ہیں، خواہ دارالعلوم میں نہیں، آپ میری یہ بکواس اس لیے برداشت کرتے ہیں کہ میں دارالعلوم میں تھا اور ہنوز دارالعلوم خوانی کرتا ہوں، وگرنہ شہر میں فہیم کی آبرو کیا ہے!

MUSHAYA'AT E FAQEER



Ta'assurat

Mufti Mohammad Faheemuddin Bijnori
Sabiq Ustaz Darul Uloom Deoband



Bar Wafat
Meere Karwane Tasawwuf, Ustaze Asbaqe
Dil, Mujtahide Uloome Marifat
Peer Faqeer, Hazrat Maulana Zulfiqar Ahmad
Sahab Naqshbandi AR



Murattib

Maulana Ahmad Qasmi Muradabadi

Nashir

MF Bijnori Publishers